عربِ جاہلیہ میں صنعتِ دباغت

احمد خان، ایم اے۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی

قدیم عربوں کی زندگی کے مختلف گوشے صدیوں سے اہلِ علم کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں ان پر بہت کچھ لکھا گیا خصوصاً یورپی ممالک کے اہلِ علم نے جو کام کیا ہے، وہ قابلِ ستائش ہے۔ عربوں کی زندگی کے کئی پہلوؤں پر روشنی ڈالی جا چکی ہے اور کئی دوسرے پہلوؤں پر سے مستقبل میں پردہ خفا اٹھائے جانے کی توقع ہے۔

عربوں کا اسلام کے بعد کا دَور تو کسی حد تک واضح ہے مگر اسلام سے پہلے کا زمانہ ابھی تک نگاہوں سے اوجھل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جاہلی عربوں کے سیاسی اور دینی حالات چند کتبات کی مدد سے کچھ واضح کئے جا چکے ہیں مگر ان کے اقتصادی اور معاشرتی امور ابھی تک مبہم چلے آ رہے ہیں۔ خصوصاً اس عہد کے ان فنون کے بارے میں بہت کم معلومات میسّر آئی ہیں جن سے ان کی اقتصادیات پر اثر پڑتا ہے۔

معاشرتی زندگی میں روزمرہ کے استعمال کی اشیاء کا بڑا دخل ہے۔ اس میں برتن، کپڑے، رہائش گاہیں اور گھریلو جانوروں کے علاوہ بہت سی چیزیں شامل ہیں۔ عربوں کی ان اشیاء پر کچھ اہلِ علم نے لکھا ہے۔ اور اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ایک پہلو ابھی تک محققین کی توجہ کا مرکز نہیں بن سکا اور نہ اس طرف کسی نے اشارہ کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے علاوہ بھی قدیم عربوں کی زندگی کے کئی گوشے موجود ہیں جو ابھی تک سامنے نہیں آ سکے اور جو آئے ہیں، وہ بھی ابھی تک تشنہ ہیں مگر اس پہلو کے ساتھ اغماض کی وجہ سے ان کے کئی مسائل کے متعلق معلومات نہ صرف ادھوری رہ گئی ہیں بلکہ وہ ابھی تک ابتدائی درجہ تک بھی نہیں پہنچ سکی ہیں۔ وہ پہلو ہے: "عربوں کی صنعت چرم سازی"۔

یہ صنعت ان کی زندگی کا اہم جزو تھی۔ روزمرہ کے استعمال کی چیزوں میں سے تقریباً پچیس فی صد چیزیں

وہ تھیں، جو صرف چمڑے کی بنی ہوئی ہوتی تھیں، اور تقریباً اتنی ہی وہ اشیاء تھیں، جن میں جزوی طور پر چمڑے کا استعمال ہوتا تھا۔ آپ خود اندازہ لگائیں کہ رسول مقبولؐ کے پاس سونے کا بستر (ضجاع) تکیہ (وسادۃ) بیٹھنے کی چٹائی (مبرکۃ) دباغت شدہ فرد، پانی کے لئے مشکیزہ اور چیزیں رکھنے کے لئے تھیلہ سب چمڑے کے بنے ہوئے تھے[۱] چمڑے کا خیمہ تو آپؐ نے اکثر استعمال کیا ہے[۲] یہ امر بھی ذہن میں رہے کہ اس وقت کتابت کے لئے کاغذ موجود نہ تھا بلکہ اس کی بجائے چمڑا ہی استعمال ہوتا تھا۔ الغرض چمڑے کی مصنوعات سے الگ رہ کر کسی طرح عرب زندگی نہیں گزار سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس فن کو گھریلو صنعت کے طور پر اپنایا ہوا تھا۔ تقریباً ہر گھر میں نہ صرف مرد دباغت کا کام کرتے تھے بلکہ عورتیں بھی اس صنعت میں پوری مہارت رکھتی تھیں[۳]

عربوں کے اس خاص پہلو کا، جہاں تک ہمیں علم ہے، عرب مؤرخین میں سے شائد ہی کسی نے خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا ہو۔ ممکن ہے کسی عالم نے اس پر کوئی رسالہ لکھا ہو مگر اس وقت تو وہ کہیں نظر نہیں آتا۔ البتہ ضمنی طور پر کہیں کہیں اس بارے میں معلومات مل جاتی ہیں۔ یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس فن کے بارے میں اس قدر کم معلومات کیوں ہیں؟ اس کی کئی وجوہ ہیں۔ ممکن ہے کہ اس بارے میں علماء کو معلومات میسّر ہی نہ آئی ہوں یا اس کو درخور اعتنا ہی نہ سمجھا گیا ہو کہ اس سے عام زندگی پر کون سا اثر پڑتا ہے۔ قدیم مآخذ میں اس کے بارے میں معلومات اس لئے کم ہوں کہ اس فن کو اس قدر شہرت نہ ملی ہو۔ یا پھر اسے ایک جانا پہچانا عمل سمجھ کر اس پر دھیان ہی نہ دیا گیا ہو۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہ فن کسی خاص علاقہ سے تعلق رکھتا ہو، جس کے حالات کو احاطۂ تحریر میں نہ لایا جا سکا ہو۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں مگر اس علّتِ تشہیر یا فقدانِ معلومات سے یہ مطلب ہرگز نہ لینا چاہیئے کہ قدیم عربوں کے ہاں اس صنعت کا وجود ہی نہیں تھا۔ فن چرم سازی عہد جاہلی میں موجود تھا اور عربوں کی زندگی پر یہ

۱؎ دیکھئے طبقات ابن سعد ط لائیڈن ج ۱ ص ۱۴۷ تا ۱۵۹

۲؎ حدیث کی مختلف کتب میں ذکر موجود ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ونسنک کی المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی ط لائیڈن ج ۱ لفظ أدم

۳؎ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۰۶ و مسند احمد بن حنبل ط قاہرہ ۱۳۱۳ھ ج ۴ ص ۲۸

خاطر خواہ اثر انداز بھی تھا۔ بلکہ یوں کہیئے کہ ان کی اقتصادی زندگی میں اس فن کو اہم مقام حاصل تھا۔

چرم سازی کے بارے میں حاصل کردہ معلومات کے مآخذ یا تو جاہلی شعراء کا کلام ہے جس میں چمڑے کا تذکرہ اتنا وافر نہیں ملتا اور یا پھر اسلامی دور کا لٹریچر۔ یہ امر ذہن میں رہے کہ اسلامی عہد کی معلومات کا صرف وہ حصہ اہم ہے جو عہد جاہلیہ کے بالکل متّصل زمانہ کا ہے۔ مگر اسلامی عہد میں ایک چیز بہت کھٹکتی ہے اور وہ یہ کہ ابتدائی مسلمانوں نے عرب جاہلی کے بارے میں کسی قسم کی معلومات بہم پہنچانے کو ایک عار سمجھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ جاہلی دور کے بارے میں باتیں کرنا معیوب گردانتے تھے۔ اندریں حالات یہ کیسے ممکن تھا کہ اس دور کی معلومات مکمل طور پر ہمارے سامنے آجاتیں۔ اس دور کو قرآن مجید میں جاہلیت کے نام سے یاد کیا گیا ہے اس لئے اس دور کی خوبیوں پر بھی ابتدائی مسلمانوں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ رسول مقبولؐ، خلفائے راشدین اور بنو امیہ کے عہد میں بہت کم لوگ ایسے پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے جاہلی دور کے بارے میں کچھ لکھا ہے اور جن حضرات نے کچھ لکھا ہے وہ بھی قدیم عربوں کی جنگوں (ایام العرب)، دینی بدحالی اور معاشرتی بے راہ روی کے سوا کسی اور چیز پر نہیں۔ عربوں کی اقتصادی یا فنی زندگی کے بارے میں جو معلومات ہمیں میسّر آئی ہیں، وہ صرف کسی واقعہ کے ضمن میں مل جاتی ہیں۔ بذاتِ خود ایک مستقل حیثیت سے کسی جگہ نہیں ملتی ہیں۔ اس بکھرے ہوئے مواد کو جمع کرنے کی خاطر ہمیں قدیم ادبیات کا پورا ذخیرہ کھنگالنا پڑتا ہے تب جاکر تھوڑی سی معلومات ملتی ہیں۔

مناسب ہوگا کہ یہاں اپنے موضوع سے متعلق دور کی تحدید بھی کرلی جائے۔ اس امر سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ کپڑا بننے، چرم سازی یا ہتھیار بنانے کے فنون دفعتہً پیدا نہیں ہوجاتے بلکہ یہ زمانے کے ساتھ ساتھ درجہ بدرجہ ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے وجود میں آتے ہیں۔ رسول مقبولؐ، خلفائے راشدینؓ اور بنو امیہ کا دور عہد جاہلی سے بالکل متصل واقع ہوا ہے۔ یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ اسلام نے آتے ہی جاہلی دور کے فنون کو ختم نہیں کیا بلکہ اس نے تو صرف غیر ضروری امور کے خاتمے کا حکم دیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ کپڑا بننے یا چرم سازی کے فنوں کو اسلام نے مزید تقویت دی تھی۔ اس لئے کہ دستکاری کے مختلف و متعدد کام رسول مقبولؐ نہ صرف خود کرتے تھے بلکہ اپنے صحابہؓ کو بھی ان کا حکم فرماتے تھے۔

یہ ذہن میں رہنا چاہیئے کہ بنو امیہ کے خاتمے تک ایک سو تیس سالوں کے اندر اس فن نے کوئی نمایاں ترقی نہیں کی ہوگی۔ اس لئے پہلی صدی کی معلومات تو اس فن کے لئے خالص جاہلی دور کی معلومات ہی

شمار ہوں گی۔ البتہ اس عرصہ کے بعد کی معلومات کے بارے میں انگشت نمائی کی جاسکتی ہے کہ وہ جاہلی دور کی صحیح نمائندگی نہ کر سکیں گی۔ مگر ذرا غور فرمائیے کہ جو عرب گھروں سے باہر دُور جنگوں میں پھنسے ہوئے تھے، وسعتِ سلطنت اور اشاعتِ دین کے دھندوں میں پڑے ہوئے تھے، انہیں اس فن کی ترقی کی طرف کب خیال آیا ہوگا۔ ابتدائی دو صدیاں جن میں عربوں کا عجمیوں کے ساتھ مکمل طور پر اختلاط نہیں ہوا تھا، ان میں فنون کی باریکیاں جزیرۃ العرب میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔ چنانچہ ابتدائی دو صدیوں (ہجری) کا لٹریچر ہمیں قدیم عربوں کے بارے میں کسی حد تک جاہلی عہد کے صحیح خدوخال مہیا کرتا ہے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ صنعت چرم سازی کی وہ معلومات جو اس دور کے لٹریچر سے حاصل ہوں گی، وہ اگرچہ مکمل طور پر نہیں مگر کافی حد تک مبنی برحقیقت ہوں گی۔

جزیرۃ العرب کی صنعت و حرفت پر بہت سے اہل علم نے قلم اٹھایا ہے اور کافی لکھا ہے۔ ہر ایک صنعت پر الگ الگ کتب موجود ہیں۔ یا کم از کم اس قدر مواد موجود ہے کہ اس کو جمع کیا جائے تو کتاب بن سکتی ہے۔ ایک ایک علاقے کے لئے الگ خاص طور پر بھی لکھا گیا ہے مگر سب اسی دور میں لکھا ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں لیکن اگر اس سے قبل کے ادوار پر نگاہ ڈالیں تو بہت کم لوگ ایسے نظر آئیں گے جنہوں نے عربوں کی صنعت و حرفت کو قابل توجہ خیال کیا ہو۔ اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ جاہلی دور میں صنعت کی طرف دھیان بھی کم تھا۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ بالکل ہی کم تھا بلکہ جب موجودہ دور کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو کم نظر آئے گا۔ اُس وقت ان کے نزدیک سب سے اعلیٰ پیشہ لُوٹ مار تھا۔ اس پیشے پر وہ فخر کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ جو پیشے لوگوں نے اختیار کر رکھے تھے، وہ بھی اس سے متعلق تھے۔ چنانچہ شمشیر سازی اور نیزہ سازی سرفہرست تھے۔ ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اُس پیشے کو زیادہ عمدہ خیال کیا جاتا تھا جو انہیں جنگ و جدل میں ممد و معاون ثابت ہوتا تھا۔ ان کے بعد دوسری ضروریات کی اشیاء کی طرف دھیان دیا گیا۔ جیسے تن ڈھانکنے کے لئے کپڑا، روزمرّہ کے استعمال کی دیگر اشیاء جن میں سے ایک چمڑا بھی تھا، جس سے برتن بنانے اور تن ڈھانکنے کے علاوہ خیمے بھی بناتے تھے۔

چونکہ عرب کا بیشتر حصہ صحرا تھا، جس میں پانی نایاب اور آب و ہوا سخت گرم، اس لئے بہت تھوڑے علاقے میں کھیتی باڑی کا کام ہو سکتا تھا۔ ساحل سمندر کے قرب وجوار میں بعض علاقے اس پیشہ کے لئے موزوں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یمن اور ساحل سمندر کے دیگر علاقوں میں زراعت کا کام نظر آتا تھا۔ اس میں کسی کو شک نہیں کہ عربوں کے نزدیک سب سے گھٹیا پیشوں میں پارچہ بافی و جفت سازی بھی شامل تھے، مگر اس سے قطعاً یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ پیشے عرب میں بالکل مفقود تھے۔ بلکہ بعض مقامات پر تو صرف یہی پیشے مروّج تھے۔ جیسے یمن، جو عرب کا ایک زرخیز خطّہ

ہے۔ اس میں کاشت کے علاوہ یہی دو صنعتیں نمایاں نظر آتی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی صنعتیں جیسے شمشیر سازی اور دیگر آلاتِ جنگ کی تیاری اور ان کے استعمال کی تربیت، عربوں کے ہاں اس وقت اپنے شباب پر تھی۔

ان صنعتوں کے اندر ایک ایسی صنعت بھی نظر آتی ہے جو اس قدر مقبول تھی کہ عرب کے گھروں میں بدوؤں کے ہاں زیادہ اور حضریوں کے ہاں کم پائی جاتی تھی۔ جس کا وجود کچھ عام ہونے کے سبب اہم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چرم سازی تقریباً تمام عرب میں ایک گھریلو صنعت کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ عرب جاہلیہ میں اس صنعت کا یہ حال تھا کہ خاص خاص مقامات کے علاوہ بدوی اور حضری اپنے طور پر خود اس صنعت کو رواج دیتے رہتے تھے۔ عورتوں کو بھی یہ فن دباغت سکھا دیا جاتا تھا۔ بہت سی عورتیں دباغت کا کام اپنے گھر پر کرتی تھیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مرد ہی نہیں بلکہ عورتوں کے لئے دباغت کا کام علم خانہ داری کا ایک لازمی جزو تھا۔

مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے مسلم عرب مؤلفین میں بہت کم ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے چرم سازی کی طرف کماحقہ توجہ دی ہو۔ اگرچہ کپڑوں، برتنوں وغیرہ کے سلسلے میں چمڑے کی بے حد ضرورت موجود تھی اور پھر اسلامی دور میں جلد سازی نے چمڑے کے فن کو اوج تک پہنچا دیا تھا مگر جزیرۃ العرب کی اس صنعت کی طرف کسی نے خاص دھیان نہ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم عربوں کے ہاں گھوڑوں، تلواروں، پرندوں، کپڑوں ی صنعت پر تو کتب موجود ہیں مگر موجود نہیں تو اس اہم صنعت پر جو عربوں کی زندگی پر چھائی ہوئی تھی۔ یہ اس رح ان کی توجہ کا مرکز نہ بن سکی جس طرح دوسری صنعتوں کو درجہ حاصل تھا۔

یہ حال تو اسلام کے بعد اس فن کا تھا۔ اب اندازہ لگائیے کہ اس کا حال قبل از اسلام کیا ہوگا؟ شعراء کی توجہ مرکز یہ نہ بن سکا، خطباء اس فن کو اپنے خطبوں کا موضوع بنانے سے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ کافی تگ و دو کے بعد بھی ں موضوع پر بہت کم مواد مل سکا ہے۔ یہ مواد چند شہروں کے نام جن میں دباغت کا عمل ہوتا تھا، یا چند زوں کے نام جو چمڑے سے بنتی تھیں اور ان جانوروں کے نام پر مشتمل ہے جن سے چمڑا حاصل ہوتا تھا۔ اور ید دقّت یہ ہے کہ اس چمڑے کی تجارت کے بارے میں معلومات بھی خاطر خواہ نہیں ہیں۔

ہمارے موضوع سے متعلق چند حضرات نے کہیں کہیں تھوڑی بہت معلومات مہیّا کی ہوں گی، مگر غالباً ب سے پہلے لسانی نقطۂ نظر سے اس فن سے متعلق اسماء، جلد کی قسمیں، دباغت کے طریقے اور دباغت کے ن کے بارے میں ابن سیدہ (متوفی ۴۵۸ھ) نے اپنی مشہور و معروف "کتاب المخصص" میں قلم اٹھایا ہے۔ نے ایک مستقل باب الجلود، انسلاخ الجلود (جلود کا اتارنا) اور دباغۃ الجلود کے نام سے

باندھتا ہے۔[4] اس مستقل باب کے علاوہ کلاسیکل عربی کی کتب تاریخ و جغرافیہ میں کہیں کہیں ہمارے موضوع سے متعلق مواد ملتا ہے۔ قرآن، تفسیر، حدیث اور رسول مقبولؐ کے عہد سے متعلق تاریخی ادب اس کام کے لئے تو بہت ہی کارآمد ہے۔ ان میں سب سے بڑھ کر تو عربی زبان کے لغت سودمند ثابت ہوتے ہیں۔ یہ مآخذ اس صنعت کے چند مراکز کی معلومات کے علاوہ جلود کی تجارت کے بارے میں کچھ اشارے کرتے ہیں مگر اس صنعت کے متعلق جامع معلومات نہیں دیتے، اور کئی گوشے تو بالکل اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ مثلاً یہ اب تک معلوم نہیں ہو سکا کہ عرب ان مراکز میں اس صنعت کو چلانے کی خاطر سرمایہ کہاں سے حاصل کرتے تھے۔ کیا یہ وسیع پیمانے پر کام ہوتا تھا یا انفرادی طور پر تھوڑے پیمانے پر۔ لیبر کیسی تھی۔ خام مال کتنی مقدار میں میسر آتا تھا۔ کیا خام مال سارا سال مہیا ہوتا تھا یا خاص موسموں میں؟ ان امور میں سے خام مال کے بارے میں کسی حد تک معلومات ملتی ہیں۔ وہ بھی اس لئے کہ خام چمڑا مہیا کرنے والے جانور جن مقامات پر بکثرت پائے جاتے تھے لازمی طور پر وہی مقامات اس صنعت کے لئے خام مال مہیا کرتے تھے۔

جاہلی دور کے بارے میں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، تفصیلی معلومات مہیا کرنے کی طرف انیسویں اور بیسویں صدی میں خاصی توجہ دی گئی ہے۔ اس لئے اس عرصہ میں قدیم عربوں کے بارے میں معلومات جمع کرنے کے لئے محققین نے اور خصوصاً یورپی مستشرقین، سیاحوں اور ماہرین آثار قدیمہ نے جان کاہی سے کام کیا ہے۔ جزیرۃ العرب کے اندر سفر، مختلف علاقوں کے عربوں سے بالمشافہ گفت گو، آثار قدیمہ کی کھدائی سبھی ایک مقصد کی کڑیاں ہیں۔ چنانچہ مستشرقین نے عربوں کی زندگی کا تقریباً کوئی پہلو نہیں چھوڑا جس پر تھوڑا بہت تحریر نہ کیا گیا ہو۔ مگر ہمارے موضوع سے متعلق لکھنے کی، جہاں تک ہمیں علم ہے، ابھی تک سوائے ایک دو کے کسی نے ہمت نہیں کی۔[5]

اصل موضوع کی طرف جانے سے قبل مناسب ہو گا کہ جو خطہ زیر بحث ہے اس کی جغرافیائی حالت بھی مختصر

---

[4] ملاحظہ ہو کتاب المخصص از ابن سیدہ مطبوعہ بولاک ج ۴ ص ۱۰۰ تا ۱۱۱

[5] ۱۹۴۲ء میں ایک جرمن پروفیسر J. HENNINGER نے FELL UND LEDERK-LEIDUNG IN ARABIEN کے عنوان سے ویینا کے ایک جرمن رسالے INTERNATIONAL ARCHIV FÜR ETHNOGRAPHIE میں دس صفحات پر مشتمل عربوں کے چرمی ملبوسات پر مقالہ لکھا تھا۔ ظاہر ہے اس میں صرف ملبوسات پر توجہ دی گئی تھی۔

طور پر معلوم کرلی جائے۔ جزیرۃ العرب کا مجموعی رقبہ تقریباً بارہ لاکھ مربع میل ہے[۶] شمال سے جنوب کی جانب پورٹ سعید سے عدن تک پندرہ سو میل طول ہے اور مغرب سے مشرق کی جانب پورٹ سویز سے فرات تک چھ سو میل عرض ہے۔ جزیرۃ العرب کا سارا حصہ مسطح نہیں ہے بلکہ کہیں کہیں پہاڑ بھی ہیں۔ بڑا حصہ لق و دوق صحرا کی شکل میں ہے جنوبی حصّہ کی زمین جسے یمن کہا جاتا ہے، کسی قدر سرسبز و شاداب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ علاقہ باہر کے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا رہا ہے۔ بحیرہ قلزم کے ساحل کے ساتھ ساتھ عسیر کا علاقہ بھی سرسبز ہے۔ یہاں کبھی کبھی بارش بھی ہو جاتی ہے اور وہ سبزہ جانوروں کے لئے چارے کا کام دیتا ہے۔ عسیر میں طویل کوہستانی سلسلہ: جَبَلُ السَّرَاۃ پر کئی چراگاہیں موجود ہیں۔ "رَبْعُ الخالی" ایک ریت کا سمندر ہے جس کو عبور کرنا جان جوکھوں کا کام ہے یہاں کوئی ہریالی نہیں بجز جنوبی حصّہ کے جہاں تھوڑی سی بارش سے کچھ سبزہ پیدا ہو جاتا ہے۔ صحرا میں میلوں تک آبادی کا نشان نہیں ملتا۔ جو لوگ کبھی آباد تھے، وہ خانہ بدوش تھے اور سبزے کی تلاش میں سارا سال گھومتے رہتے تھے یہی بدوی آبادی اس علاقہ کی آبادی کہلاتی تھی۔ یہ بدو آپس میں پانی اور سبزے کی خاطر اکثر لڑتے رہتے تھے۔ کہیں کہیں شہری علاقے ان مقامات پر تھے جہاں کچھ سبزی کے دوام کا امکان تھا۔ یہ شہری لوگ کچھ متمدن تھے۔ مگر ان شہروں کی آبادی بھی بہت کم۔ اس خطّہ کا موسم، آب و ہوا اور مختلف مقامات، چمڑا کمانے کے لئے کافی ممد و معاون ہوتے تھے۔ اس لئے بدو لوگ ہر جگہ پر جب کبھی اپنے جانوروں سے چمڑا اتارتے تو اسے کما لیتے تھے۔

ہم اپنی معلومات کو کچھ اس طرح ترتیب دیں گے کہ سب سے پہلے ان جانوروں کا تذکرہ ہوگا جن سے چمڑا حاصل ہوتا تھا۔ پھر چمڑے کے اتارنے کے مختلف طریقوں کی تفصیل ہوگی۔ اس کے بعد دباغت کے لئے جو جڑی بوٹیاں یا دیگر اشیاء استعمال ہوتی تھیں، ان کا بیان ہوگا۔ چمڑے کی وہ تمام اقسام بھی بتائی جائیں گی جو مختلف علاقوں میں مقامی اثرات اور مختلف چیزوں کے استعمال پر یا پھر مختلف جانوروں سے حاصل ہونے کی بنا پر بن گئی تھیں اور انہیں مختلف نام دے دیئے گئے تھے۔ ان کے بعد ان مقامات کا ذکر آئے گا جہاں یہ صنعت کسی حد تک ترقی یافتہ شکل رکھتی تھی۔ اور آخر میں چمڑے کی تجارت اندرون جزیرۃ العرب اور بیرونی دنیا کے ساتھ زیر بحث لائی جائے گی۔ (مسلسل)

---

[۶] عمر رضا کحالہ۔ شبہ جزیرۃ العرب ط دمشق ۱۹۴۴ء ص ۶